January 2023

ماہنامہ

پیامِ عرفات

رائے بریلی

جمہوری حکومت کا فرض منصبی

''ایک آزاد جمہوری حکومت جس کی بنیاد خالص حب الوطنی، رضا کارانہ جذبہ خدمت اور اس مشترک آزادی پر پڑی ہو جس میں ملک کے تمام شہری اور اکثریت و اقلیت کے افراد دوش بدوش شریک ہوں، سب سے عظیم و مقدس فرض یہ ہے کہ اس کی آبادی کے تمام عناصر اور اس کے مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو اس ملک میں اپنے اور اپنی نسل کے تحفظ کا پورا احساس ہو اور مکمل اطمینان ہو، کسی حکومت کی ناکامی اور دستور کی خامی کی اس سے بڑھ کر مثال نہیں ہوسکتی کہ اس ملک کا کوئی شہری تحفظ کے احساس سے محروم ہو، واضح رہے کہ ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے میں جب ''تحفظ'' کا لفظ بولتا ہوں تو اس سے مراد جسمانی و معنوی، نسلی و روحانی ہر طرح کا تحفظ ہوتا ہے کہ محض جسمانی تحفظ، جسم و جان کی سلامتی اور قتل و غارت گری سے حفاظت پر کوئی باشعور، باضمیر، صاحب عقیدہ اور صاحب تہذیب جماعت قانع اور مطمئن نہیں ہوسکتی۔''

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

FIFA WORLD CUP
Qatar2022

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي
دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

خاک ہو جائے نہ کاشانہ ہستی اپنا......

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

’’حق تعالیٰ شانہ کسی قوم پر اچانک عذاب نازل نہیں کرتا، بلکہ بار بار تنبیہ کی جاتی ہے اور مختلف طریقوں سے اسے آگاہ کیا جاتا ہے، اس کے باوجود بھی جب وہ خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتی تو عذاب الٰہی اپنی خوف ناک شکل میں آتا ہے اور اس وقت کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، دنیا میں جتنے مصائب پیش آرہے ہیں، وہ سب حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے تنبیہات ہیں اور ہماری بداعمالیوں کی پاداش ہے۔

آج ہماری ان بدعملیوں کی سزا ہمیں مل رہی ہے، نہ زمین دار کو راحت ہے نہ کسان کو، نہ کارخانہ دار کو سکھ ہے نہ مزدور کو، نہ دوکاندار مطمئن ہے نہ ملازم، گرانی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، سامان خورد و نوش سے برکت اٹھ گئی ہے، اخراجات اتنے پھیل رہے ہیں کہ آمدنی ان کا ساتھ دینے سے قاصر ہے، حوادث کی رفتار روز افزوں ہے، ہسپتالوں اور عدالتوں میں جا کر دیکھو تو ایسا لگتا ہے گویا پورا شہر امڈ آیا ہے، ڈاکہ، چوری، غصب، بربریت اور قانون شکنی کی وجہ سے نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال، نہ عزت و آبرو!

ہم اپنی ہوس، زر کشی میں پاگل ہو رہے ہیں اور یہ ملک بین الاقوامی خطرات اور سازشوں کی آماجگاہ ہے، لیکن صد حیف کہ مسلمانوں کو کسی واقعہ سے عبرت نہیں ہوتی، کوئی حادثہ انہیں خواب غفلت سے بیدار نہیں کرتا، کوئی تازیانہ عبرت بھی ان کے نشہ معصیت کو اتارنے کے لیے کافی نہیں ہوتا، یہ حالت بہت ہی دردناک ہے۔

خدارا! قہر الٰہی کو مزید دعوت نہ دیجیے، قہر الٰہی کو دعوت دینے والی وہ کون سی معصیت ہے جو ہم نے نہیں اپنائی؟ ہر کفر و الحاد کی حوصلہ افزائی کی، سچائی کو دبایا، جھوٹ کو اچھالا، رشوت کا بازار گرم کیا، ظالموں کے آگے جھکنے اور غریبوں، مزدوروں اور مظلوموں کو دبانے اور لوٹنے کو اپنا شعار بنایا، مسجدیں ویران کیں اور عورتوں کے سر سے دوپٹہ چھینا، خواتین اسلام کو شرعی پردہ لازم ہے اور ان کا بن ٹھن کر برہنہ سر بازاروں میں نکلنا، اسلامی شریعت اور انسانی غیرت دونوں کے لحاظ سے گناہ کبیرہ ہے‘ خدارا! اس کا انسداد کیجیے، مرد و زن کا اختلاط تمام فواحش کی جڑ ہے، گانا بجانا فواحش کی غذا ہے خدارا! اس کا تدارک کیجیے، اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر کیجیے۔ عذاب الٰہی کا سیلاب ہماری طرف بڑھ رہا ہے، اس سے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنی زندگی میں تبدیلی پیدا کر کے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع ہوں، احکام الٰہیہ کی پابندی کریں، خدا کے گھروں کو آباد کریں، فحاشی کے اڈوں کو ہٹا دیں، اے اللہ! اس قوم اور اس ملک پر رحم فرما، اے اللہ! ہماری ساری غلطیوں اور گناہوں کو معاف فرما۔‘‘

(معاشرتی بگاڑ کا سد باب: ۱۳۷-۱۳۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۵ | جمادی الآخر ۱۴۴۴ھ - جنوری ۲۰۲۳ء | شمارہ: ۱

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ (صدر، دارعرفات)

تحفظ حقوق کی بنیادیں

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(آدمی کے برا ہونے کے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر خون، مال اور اس کی آبرو حرام ہے۔)

(صحیح مسلم: ٢٥٦٤)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کراکر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 | E-Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

یوم جمہوریہ کا پیغام (اداریہ)..........................۳
....بلال عبدالحی حسنی ندوی
قوموں کے عروج وزوال کا بنیادی سبب...............۴
........................حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ
ذوالقرنین کا واقعہ اور عبرت کے پہلو...................۵
....................حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
دل کا کینہ ایک لاعلاج بیماری.........................۷
....مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی
تقویٰ کیا ہے؟..۸
....بلال عبدالحی حسنی ندوی
نکاح کے چند مسائل (۶)...............................۱۰
....مفتی راشد حسین ندوی
شیطانی حملے...۱۲
....عبدالسبحان ناخدا ندوی
فیفا ورلڈ کپ میں قطر کا جرأت مندانہ کردار..........۱۳
....محمد مکی حسنی ندوی
قطع رحمی..۱۵
....محمد امین حسنی ندوی
مولانا علی میاں ندویؒ کا تاریخی ذوق....................۱۶
....محمد ارمغان بدایونی ندوی
یونیفارم سول کوڈ – ملک کی سالمیت کے لیے خطرہ.......۱۸
....محمد نفیس خاں ندوی

ثنائے نبی

نتیجۂ فکر:- مولانا ابوالکلام آزادؒ

موزوں کلام میں جو ثنائے نبی ہوئی
تو ابتدا سے طبع رواں منتہی ہوئی

ہر بیت میں جو وصف پیمبر رقم کیے
کاشانہ سخن میں بڑی روشنی ہوئی

ظلمت رہی نہ پرتو حسن رسول سے
بے کار اے فلک! شب مہتاب بھی ہوئی

ساقی سلسبیل کے اوصاف جب چڑھے
محفل تمام مست مے بے خودی ہوئی

دل کھول کر رسول سے میں نے کیے سوال
ہرگز طلب میں عار نہ پیش سخی ہوئی

تاریک شب میں آپ نے رکھا جہاں قدم
مہتاب نقش پا سے وہاں روشنی ہوئی

ہے شاہ دیں سے کوثر وتسنیم کا کلام
یہ آبرو تمام ہے حضرت کی دی ہوئی

سالک ہے جو کہ جادۂ عشق رسول کا
جنت کی راہ اس کے لیے ہے کھلی ہوئی

آزاؔد اور فکر جگہ پائے گی کہاں
الفت ہے دل میں شاہ زمن کی بھری ہوئی

یوم جمہوریہ کا پیغام

بلال عبدالحی حسنی ندوی

حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہندوستان تین ستونوں (pillars) پر قائم ہے: (۱) جمہوریت (democracy) (۲) سیکولرزم (secularism) (۳) عدم تشدد (non-violence) جب تک یہ ستون مضبوط ہیں ملک مضبوط ہے، اگر یہ ستون کمزور ہو گئے تو ملک کمزوری کے راستہ پر پڑ جائے گا۔

یوم جمہوریہ ہمیں ان حقیقتوں کو یاد دلانے کے لیے آتا ہے، یہاں کا قانونی جمہوری ڈھانچہ ملک کے وقار کی علامت ہے، یہ ذمہ داری ہے ان لوگوں کی جن کے ہاتھوں میں ملک کا اقتدار ہے کہ وہ اس ڈھانچہ کو کسی قیمت پر کمزور نہ ہونے دیں، یوم جمہوریہ ہر سال پورے ملک کے باسیوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ وہ بھی ہر حال میں اس ملک کا وقار باقی رکھنے کے لیے عزم کریں۔

اس وقت ملک ایک خطرناک رخ پر پڑ گیا ہے، مسئلہ کسی فرد کا نہیں، کسی کمیونٹی کا بھی نہیں، مسئلہ پورے ملک کا ہے، حد سے بڑھی ہوئی مادیت، تشدد کا رجحان، کرپشن، لاقانونیت اور سماجی برائیاں جو ساری حدیں پار کرتی جارہی ہیں، ان چیزوں نے ملک کی بنیادوں کو کمزور کرنے کا کام شروع کر دیا ہے، ایسے واقعات سامنے آتے ہیں جو انسانیت کو شرم سار کرنے کے لیے کافی ہیں، ان حالات میں ہم سب کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے، آزادی کی لڑائی لڑنے والوں نے کیسی قربانیاں دیں، ہزاروں لاکھوں جانیں ملک کو آزاد کرانے کے لیے قربان ہوئیں اور سب نے شانہ بشانہ لڑائی لڑی، آج جس طرح مذہب اور ذات کے نام پر دوریاں بڑھائی جارہی ہیں اور لوگوں کو بانٹنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، یہ سب کے لیے انتہائی قابل فکر اور قابل تشویش بات ہے، اگر دوریاں بڑھتی گئیں تو حالات بگڑتے جائیں گے، اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ دوریاں کم کی جائیں، ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوششیں کی جائیں، ورنہ یہ غلط فہمیاں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچادیں گی۔

یہ ملک امن وشانتی اور پیار ومحبت کا ملک رہا ہے اور ایسے لوگ یہاں پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے اخلاق ومحبت سے لوگوں کا دل جیتا ہے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء جیسے بزرگ اس ملک کی عظمت اور اس کی پہچان ہیں، بڑی ذمہ داری ہم مسلمانوں کی ہے جن کے پاس اخلاق ومحبت کا وہ نظام ہے جس نے ہمیشہ دلوں کو جیتا ہے اور سچی بات ہے کہ

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

مسلمانوں کی بڑی ذمہ داری ہے وہ اس سوغات کو تقسیم کریں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نمونہ ان کے سامنے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح عفو ودرگزر سے کام لیا اور انسانیت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں کیسی کیسی مثالیں ہیں:

گالیاں جس نے دیں اس کو تحفے دیے — زخم جس کے لگے زخم اس کے سیے
عافیت کی دعا مانگی سب کے لیے — کی جفا جس نے بدلے وفا سے دیے
جس نے سب کو پلایا محبت کا جام — اس پہ لاکھوں درود اس پہ لاکھوں سلام

قوموں کے عروج وزوال کا بنیادی سبب

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

سلطنت روما پر جب زوال آیا تو وہاں علمی مراکز، ادبی مشاغل اور لطافت ذوق کے مظاہر بکثرت موجود تھے، جن کی نظر انسانی تاریخ پر ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جو قومیں زوال کا شکار ہوئیں، وہ آخری نزاعی حالت میں بھی تہذیبی طور پر زندہ تھیں، جس وقت ایران پر مسلمانوں کا حملہ ہوا اس وقت ایران کا تمدن عروج پر تھا، اس کا اندازہ ''درفش کاویانی'' اور ''فرش بہار'' کی ان تفصیلات سے ہوسکتا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں کا جمالیاتی ذوق اور تمدن کس نقطہ تک پہنچ چکا تھا، مگر یہ چیزیں سلطنت ساسانیہ کو زوال سے نہیں بچاسکیں، عقل دنگ رہ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تہذیب کے عروج وترقی کے باوجود شام ومصر، ایران وروما زوال سے نہ بچ سکے، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کا سماج کرپٹ ہو چکا تھا، دن کو رات اور رات کو دن، ظلم کو عدل اور عدل کو ظلم کہنے کا رواج بن چکا تھا، کوئی بھی اچھی بات کرتے وقت یہ دیکھا جاتا تھا کہ کہنے والا کون ہے؟ یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کہ بات کیا کہی جارہی ہے؟ اگر کوئی طاقتور یا دولت مند دن کو رات کہہ دیتا تھا تو ایسے خوشامدی لوگ بکثرت پائے جاتے تھے جو آسمان کی طرف اشارہ کرکے اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ ستارے نکلے ہوئے ہیں اور چاندنی چھٹکی ہوئی ہے۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں بھی یہ رجحان عام ہوگیا ہے۔

ملک کی آزادی کے بعد جس مسئلہ پر تمام توجہات مرکوز ہونا چاہیے تھیں، وہ یہ مسئلہ تھا کہ کیا یہاں ایک صالح معاشرہ کا وجود ہے؟ اب ہر اس شخص کے لیے جسے اس ملک سے محبت ہے، لذیذ ترین' عزیز ترین' مقدس ترین کام یہ ہے کہ اگر بھیک بھی مانگنی پڑے، خیرات کے ٹکڑے بھی جمع کرنے پڑیں، جھولی بھی پھیلانی پڑے، حتی کہ کسی مفلس کے چراغ سے بھی روشنی حاصل کی جاسکتی ہو تو اسے حاصل کرکے ایک ایسے سماج کو وجود میں لایا جائے جو ظلم سے ساز باز نہ کرے، جس میں خوف خدا ہو، جس میں حق بات کہنے کی جرأت ہو اور وہ ظالم کو ظالم کہہ سکے اور مظلوم کو مظلوم، یہ اس ملک کی موت وزندگی کا مسئلہ ہے، ہمارے فراخ دل اور روشن خیال رہنماؤں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسا سماج بنائیں جس میں ظلم سر نہ اٹھائے اور اگر اٹھائے تو کچل دیا جائے۔

اگر قومی کارکنوں میں سچی حب الوطنی ہوتی اور وہ ہر طرح کے تعصّبات اور تنگ نظری سے پاک ہوتے تو اس مقصد کے حصول میں اسلام سے بڑی مدد مل سکتی تھی، اسلام کی تعلیمات سے (جو اس ملک کا ایک مذہب ہے اور جس کے پیرو کروڑوں کی تعداد میں یہاں پائے جاتے ہیں) اس سلسلہ میں بڑا فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا، ایسی صورت میں ملک زیادہ مضبوط اور باوقار ہوتا اور وہ انسانیت کی عمومی فلاح میں ایک اہم کردار ادا کرتا۔

آپ کو جائزہ لینا پڑے گا کہ وہ کون سی خرابیاں اور کمزوریاں ہیں جو ہمارے سماج میں نفوذ کرکے اسے کھوکھلا، مفلوج اور ملک کی تعمیر وترقی کی کوششوں کو بے اثر بنارہی ہیں، اس ملک کے لیے جو حقیقی خطرات ہیں، ان کی نشاندہی نہ کی جائے تو یہ ایک بہت بڑی خیانت ہوگی، میں میدان سیاست کا کوئی شہسوار نہیں، مذہب وتاریخ اور اخلاقیات کا ایک طالب علم ہوں، اس طرح کے آدمی کی زبان سے تنقید واصلاح کی کوئی بات نکلے تو اس کی نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہیے۔

اس ملک کے لیے اولین خطرہ یہ ہے کہ یہاں انسان کی صحیح قدر وقیمت اور انسانی شرف وعزت کا پورا احساس نہیں، اس سلسلہ میں میرا نقطہ نظر اور تاثر ایک عملی انسان کا ہے، میری قسمت اس ملک سے وابستہ ہے.............

(بقیہ صفحہ ۶ / پر)

ذوالقرنین کا واقعہ اور عبرت کے پہلو

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

قرآن مجید میں ذکر ہے کہ ذوالقرنین حکومت قائم کرتے ہوئے ایک دور دراز مغربی علاقہ میں پہنچے، جہاں انسانوں کی آبادی تھی، وہ لوگ ان کی طاقت وقوت کے سامنے سرنگوں ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے بادشاہت کی دونوں صورتیں رکھیں کہ اگر تم چاہو تو دنیاوی بادشاہوں کی طرح رویہ اختیار کرو اور جس کو چاہو مارو، جس کو چاہو سزا دو اور جس کو چاہو لوٹ لو اور اگر تم چاہو تو لوگوں کے ساتھ وہ رویہ اختیار کرو جو اللہ کو پسند ہے، یعنی محبت اور ہمدردی کا سلوک کرو، چنانچہ ذوالقرنین نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم تو بہتر طریقہ اختیار کریں گے، جو شخص گناہ کرے گا اور زیادتی سے کام لے گا یا غلط راستہ پر پڑے گا تو اس کو ہم سزا دیں گے اور پھر جب وہ اللہ کے یہاں حاضر ہوگا تو وہاں بھی سخت سزا کا مستحق ہوگا، تاہم جو لوگ اچھے اعمال کریں گے اور حق بات قبول کریں گے تو ان کو اچھا بدلہ ملے گا اور ایسے لوگوں پر ہماری حکومت کا رویہ نرم ہوگا اور ہم ان سے آسانی کی بات کہیں گے، جس سے ان کو آسانی حاصل ہو اور مدد ملے، تاکہ ان کی اچھائی اور نیکی ان کے کام آسکے، گویا ذوالقرنین نے یہ اقرار کیا کہ ہم ایمان والی حکومت چلائیں گے، ایمان والا رویہ اختیار کریں گے اور لوگوں کو اچھا بنانے کی کوشش کریں گے، لیکن اگر کوئی شخص اچھا نہیں بننا چاہے گا تو جیسا کہ اسلامی سزائیں مقرر ہیں، ان ہی کے حساب سے ہم اس کو سزا دیں گے۔

ذوالقرنین نے اپنی سلطنت کی حدود کو وسعت دینے کا کام جاری رکھا اور اپنے ساز وسامان کے ساتھ آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ ان کا گذر ایک ایسے دور دراز مشرقی علاقہ سے ہوا، جہاں انسانوں کی آبادی تھی اور سورج ان کے اوپر اس طرح طلوع ہوتا تھا کہ ان کے پاس آڑ کرنے یا ڈھانکنے کی کوئی چیز نہیں تھی، یعنی نہ ان کے پاس ڈھنگ سے پہننے کے لیے کپڑے تھے اور نہ ہی محفوظ مکانات تھے، بلکہ وہ بالکل عجیب قسم کے لوگ تھے جو انہیں ملے، قرآن مجید کی گواہی ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ ذوالقرنین نے جو رویہ اختیار کیا، ہم اس سے خوب اچھی طرح واقف ہیں، یعنی انہوں نے لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کو اختیار کیا۔

اس مقام سے آگے بڑھے تو ذوالقرنین کا گذر ایک ایسی جگہ سے ہوا جہاں دو پشتے مل رہے تھے، وہاں انہوں نے ایسے لوگ دیکھے جن سے اگر کچھ کہا جائے تو ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی تھی، گویا وہ وحشی قسم کے لوگ تھے اور بڑے پریشان تھے، چنانچہ ان لوگوں نے ذوالقرنین کے سامنے اپنی پریشانیاں بیان کیں اور کہا: اے ذوالقرنین! یاجوج ماجوج ایک وحشی قسم کی اجڈ قوم ہے، جس نے زمین میں فساد پھیلا رکھا ہے، اس کی وجہ سے ہم بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں اور تم ایک بڑے بادشاہ ہو، اس تکلیف اور آزمائش سے تم ہی ہمیں نجات دلا سکتے ہو، اگر اس سلسلہ میں کچھ مصارف کا مسئلہ ہوگا تو ان کا انتظام ہم کردیں گے، لیکن آپ کے پاس وسائل ہیں اور آپ بادشاہ ہیں، اس لیے اتنا کردیجیے کہ ہمارے اور اس قوم کے درمیان ایک پشتہ قائم کردیں تاکہ ہم مصیبت سے بری ہوجائیں۔

ذوالقرنین نے اس درخواست پر سنجیدگی سے غور کیا اور جواب دیا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسباب ووسائل عطا کیے ہیں اور مدد کرنے کے مواقع بھی بخشے ہیں، میرے پاس بہت خیر ہے، لہٰذا میں تم لوگوں کی ضرور مدد کروں گا، بس مجھے تمہارا تعاون چاہیے نہ کہ اس کام پر کوئی معاوضہ اور تمہارا تعاون یہ ہے کہ ایک پشتہ قائم کرنے کے لیے جس سامان کی ضرورت ہے وہ تم مجھے مہیا کرادو یعنی لوہا وغیرہ، یہاں تک کہ جب اس کے دونوں حصے برابر ہوجائیں تو لوہا رکھ کر ایک دیوار بنادی جائے گی، جس کے اوپر اس قدر آگ جلائی جائے گی کہ لوہے میں پگھلنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے، پھر جب لوہا پگھل جائے گا تو اس کی درازیں بند کردی جائیں اور ان میں سیال مادہ بھر دیا جائے گا، تاکہ دیوار مزید مضبوطی پکڑ لے، اس کے بعد یاجوج ماجوج کے بس میں نہیں ہوگا کہ وہ اس دیوار پر چڑھ آئیں یا اس میں سوراخ کر کے باہر آجائیں، ظاہر بات ہے ایسے مضبوط قسم

کے لوہے میں سوراخ کرنا کہاں ممکن ہے۔

جب یاجوج ماجوج ایک سیل رواں کی طرح ہر جانب سے اُمڈیں گے، تو اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو چکا ہوگا، مگر وہ اپنے متبعین کے ساتھ یاجوج ماجوج کی شورش کے سبب محصور ہوکر رہ جائیں گے، چنانچہ وہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ سے یاجوج ماجوج کے فتنہ سے نجات پانے کے لیے گڑگڑا کر دعا کریں گے، پھر اللہ ایسی وحشی قوم کا ایک معمولی کیڑے کے ذریعہ خاتمہ کر دے گا، جو بجائے خود یہ پیغام ہے کہ اصل کرنے والی ذات اللہ کی ہے اور اس کی طاقت کے سامنے سب ہیچ ہیں، وہ اپنی جس مخلوق سے چاہے بڑے بڑے کام لے لینے پر قادر ہے۔

یاجوج ماجوج ایک وحشی قوم تھی، جو دنیا کو بہت پریشان کر رہی تھی اور اس نے لوٹ مار مچا رکھی تھی، قرآن مجید میں یاجوج ماجوج کا قصہ بیان کرنے کی وجہ یہی ہے کہ جب انسان محض اپنی طاقت اور وسائل پر انحصار کرتا ہے تو وہ دنیا میں فساد پھیلاتا ہے، یہاں تک کہ پورا نظام بالکل الٹ پلٹ ہو جاتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب آدمی اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق نہ چلے، بلکہ صرف دنیوی تقاضوں اور مسائل پر چلے اور دنیاوی تقاضوں یا مسائل پر چلنے کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر خوف خدا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایسے وسائل پیدا کیے ہیں جو بعض مرتبہ بڑی تباہی لا سکتے ہیں، مثلاً: ایٹم بم ہے جس کو پڑھے لکھے لوگوں نے بنایا ہے، وہ بم انسانوں کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہے، یہی وہ بم تھے جو ہیروشیما اور ناگاساکی پر ڈال کر لاکھوں آدمیوں کو ایک سیکنڈ میں ختم کر دیا گیا، جن کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ اپنی زمین پر غاصبوں کا قبضہ نہیں ہونے دے رہے تھے، بلکہ اپنے ملک کی طرف سے دفاع کر رہے تھے، لیکن طاقت کا استعمال کیا گیا اور دو شہروں کو آن کی آن میں تباہ و برباد کر دیا گیا، ظاہر ہے انسانوں نے یہ سب تباہی ان وسائل سے کی جو اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں یا ان طاقتوں کے بل بوتے پر کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوئی ہیں، جب کہ اس نے یہ طاقت تباہی مچانے کے لیے نہیں دی تھی، بلکہ انسانوں کو آزمانے کے لیے دی تھی۔

بقیہ : قوموں کے عروج وزوال کا بنیادی سبب

میں نے یہاں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، میں زندگی کی منجدھار میں ہوں، میں ایسی جگہ کھڑا ہوں جہاں کا ہر مسئلہ مجھ پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے، میں بیرون ملک اگر یہ بات کہتا تو اس کی حیثیت دوسری ہوتی، حقیقت تو یہ ہے کہ انسانی جان کی صحیح قدر و قیمت کو نہ پہچاننا کسی سماج کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے، بلکہ انسانی جان کا بے قیمت ہو جانا تہذیب وتمدن اور انسانیت کے مستقبل کے لیے پیام موت ہے۔ کسی ملک کی آبادی خواہ کتنی کثیر ہو، اس کے پاس قدرتی وسائل کی کتنی ہی بہتات ہو، وہ ملک کتنا ہی زرخیز اور دولت مند ہو، اس میں تعلیم کیسی ہی اعلیٰ مدارج تک پہنچ چکی ہو، کوئی چیز ایسے ملک کو محفوظ نہیں رکھ سکتی جو برادر کشی کے مرض میں مبتلا ہو۔

یہ بڑی حیرت اور انتہائی افسوس کی بات ہے کہ وہ ملک جس نے کبھی زمانہ قدیم میں پریم کی سریلی بانسری بجائی تھی اور دل کش لے میں ہندی، سنسکرت اور پھر اردو میں محبت کا پیغام دیا تھا اور آخر دور میں بھی جہاں بیٹھ کر مسلمان صوفیوں نے انسان دوستی اور انسانیت کے احترام کا درس دیا تھا اور جس سرزمین سے گاندھی جی نے عدم تشدد اور اہنسا کا پیغام ساری دنیا کو سنایا تھا اور جس کے پاس آج بھی ہر زبان میں انسان دوستی کا وسیع لٹریچر ہے، اس ملک میں آج انسانیت کے شرف اور انسانی جان کی قیمت کا پورا احساس نہیں!

یہ احساس وخیال اس ملک میں رچ بس جانا چاہیے تھا کہ زبانوں کے مسائل، کلچر وتہذیب کے مسائل، رسم الخط کے مسائل انسان کے مسائل ہیں اور اس کے تابع ہیں، انہیں انسانوں نے پیدا کیا ہے، ان کے اندر جو کچھ کشش اور معنویت ہے وہ انسان کی نسبت سے ہے، اگر انسان کی جان محفوظ نہیں تو کیسی زبان، کہاں کا کلچر، کہاں کے دریا، کیسے پہاڑ، کیسا ادب ولٹریچر، کہاں کی شاعری؟! ان چیزوں میں کوئی معنویت نہیں، معنویت تو انسان میں ہے اور یہ ایک واقعہ ہے کہ اس ملک میں انسانی زندگی کی قدر و قیمت کا جتنا عمیق احساس ہونا چاہیے وہ نہیں ہے۔ انگریزوں کی تفرقہ انگیز سیاست کا اس میں کتنا حصہ ہے اس کا تعین مؤرخ کا کام ہے۔

دل کا کینہ ایک لاعلاج بیماری

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

دل میں کینہ رکھنے والا نہ آرام سے رہ سکتا ہے، نہ سکون سے سوسکتا ہے اور نہ اطمینان کی زندگی بسر کرسکتا ہے، کیونکہ حسد اور کینہ ایک ایسی بیماری ہے جو کسی کو لگ جائے تو آدمی کو کسی لائق نہیں چھوڑتی، آدمی گھلتا رہتا ہے، سوکھتا جاتا ہے، علاج کرتا ہے، لیکن علاج سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ جو اس کا علاج ہے اس علاج کو وہ اختیار نہیں کرتا اور وہ ہے عروج وزوال، خوشی وغمی، ترقی وتنزلی، کامیابی وناکامی، امیری وغریبی، سب کو تقدیری سمجھ کر اللہ سے لولگانا، اسی سے مانگنا، اسی سے طلب کرنا، اس پر سب کچھ چھوڑ دینا اور اس کے ہر فیصلے اور ہر تقسیم پر راضی رہنا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (ابراھیم:۷) (اگر تم نے احسان مانا تو ہم تمہیں اور دیں گے اور اگر تم نے ناشکری کی تو میری مار بڑی ہی سخت ہے۔)

حضور ﷺ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ اگر ہم کسی کو نعمت میں دیکھیں تو یہ دعا پڑھیں:

"أللهم ما أصبح بى من نعمة أو بأحد من خلقك فمنك، وحدك لا شريك لك فلك الحمد ولك الشكر" (اے اللہ جو بھی نعمت مجھے یا تیری مخلوق میں سے کسی کو ملی وہ صرف تیری طرف سے ہے، تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، تعریف صرف تیری ہے اور تیرا ہی شکر ہے۔)

اسی طرح ہمارے نبی ﷺ نے ہم کو بتایا کہ ہم کسی کو تکلیف، پریشانی یا کسی مصیبت میں مبتلا دیکھیں تو اس کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف کو دور فرمادے، اس کے گناہوں کو معاف کردے اور جو مصیبت اس پر آن پڑی ہے اس کو دور کرنے کی ہم خود بھی کوشش کریں، امام غزالی لکھتے ہیں: صاف دل اللہ تعالیٰ سے اور زندگی سے راضی رہتا ہے اور مکمل قلبی اطمینان اسے نصیب ہوتا ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ کینہ دل کا ایک ایسا روگ ہے جس کی کوئی دوا نہیں، جس دل کو وہ لگ جائے وہاں سے ایمان ایسے غائب ہوجاتا ہے جیسے پھوٹے برتن سے پانی۔

نفرت ہمیشہ بلندی، عزت، شہرت اور ترقی کو روکتی ہے، نفرت کرنے والا اپنے ساتھیوں سے تنہا ہوجاتا ہے، اپنے آپ میں سمٹ کر رہ جاتا ہے، نہ کسی سے ملتا ہے، نہ ہی اس سے کوئی ملتا ہے، نہ کوئی اس کی مدد کرتا ہے، نہ ہی اس کو خوشی ملتی ہے اور ضرورت پڑنے پر کوئی اس کا ساتھ بھی نہیں دیتا، اس پر بھروسہ نہیں کرتا، کسی کے دل میں اس کے لیے محبت کے جذبات نہیں ہوتے، ایک عربی سردار کہتا ہے:

''میں ان کے لیے اپنے دل میں کوئی کینہ نہیں رکھتا اور جو کینہ رکھے وہ قوم کا سردار نہیں ہوسکتا۔''

کینہ انسان کو دوسروں سے بالکل منقطع کردیتا ہے، اس کے دل میں بغض پیدا کرتا ہے، عقلمندوں کو بے عقل اور داناؤں کو نادان بنادیتا ہے، اس کو دوسروں کی اچھائیاں نظر نہیں آتیں، برائیاں زیادہ دکھنے لگتی ہیں اور ایسا بیمار شخص جھوٹ گڑھنے، افواہیں پھیلانے اور جس سے کینہ رکھتا ہے اس کو بدنام کرنے میں لگ جاتا ہے، وہ ایسے کاموں میں پڑجاتا ہے جس کی وجہ سے وہ معاشرہ سے کٹ جاتا ہے، آپ ﷺ سے پوچھا گیا کون لوگ بہتر ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''سچے دل اور سچی زبان والا'' پوچھا گیا سچا دل کیا ہے؟ فرمایا: ''وہ خالص پرہیز گار شخص جس میں کوئی گناہ نہ ہو، کوئی زیادتی کوئی بغض اور حسد نہ ہو۔''

اسلام ان اصولوں کی دعوت دیتا ہے اور تفرقہ وانتشار اور پھوٹ سے بچاتا ہے، ان میں محبت بھائی چارہ پیدا کرتا ہے اور ان چیزوں کی دعوت دیتا ہے جو ایک مضبوط معاشرہ کے لیے ضروری ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے نفرت نہ کرو اور خدا کے بندے بن کر رہو۔

اسلام نفرت کا مقابلہ کرتا ہے، اس کو پھلنے پھولنے نہیں دیتا اور مسلم معاشرہ کو ایسی بلندی تک پہنچاتا ہے جس میں ایک دوسرے کے تعلق سے دل صاف ہوں، نفرت، کینہ، حسد سے ایک دوسرے کے دل پاک وصاف ہوں۔ (ترجمانی: محمد امین حسنی ندوی)

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

تقویٰ کی تشریح:

تقویٰ کی زندگی سب سے زیادہ کامیاب زندگی اور ایمان کی جان وشان ہے، تقویٰ اعمال کی بنیاد ہے، جب تقویٰ زندگی کے اندر آتا ہے تو آدمی غلط کاموں سے بچتا ہے، اس لیے کہ اس کے اندر اللہ کا خوف اور ڈر رہتا ہے۔ تقویٰ کے معنی اصلاً ڈر کے نہیں ہیں، عربی میں ڈر کے لیے خوف یا خشیت کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور خشیت بھی اس ڈر کو کہتے ہیں جس میں محبت وعظمت شامل ہو، اگر اس کے ساتھ ڈر ہے تو وہ خشیت ہے۔ اسی طرح تقویٰ اصلاً لحاظ کرنے کو کہتے ہیں، آدمی کسی سے محبت کرتا ہے اور دل کے اندر اس کی عظمت بھی ہے، وہ اس کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور اس کا لحاظ کرتا ہے، تو اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں ہمارا یہ کام اس کے نزدیک ناپسند نہ ہوجائے، کیونکہ وہ ہمارا بہت محبوب ہے، ہم اس کو چاہتے ہیں، وہ بھی ہمیں چاہتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کوئی ایسا کام کردیں کہ وہ ہم سے خدانخواستہ نفرت کرنے لگے اور ہم سے ناراض ہوجائے، اگر دل کے اندر یہ خیال بس گیا تو آدمی پھر سوچ سوچ کر اور پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہے، وہ ایسا کوئی کام نہیں کرسکتا جس سے اس کو نقصان ہو، مشہور ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے، یعنی ایک مرتبہ اگر کسی نے ناسمجھی میں کھولتا ہوا گرم دودھ پی لیا، تو وہ آئندہ سے چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے، کیونکہ جب آدمی کو ایک مرتبہ ٹھوکر لگ جاتی ہے یا اس کا نقصان سامنے آجاتا ہے تو آدمی بعد میں دس مرتبہ سوچتا ہے کہ ہم ایسا غلط کام نہ کریں جس کا ہمیں بعد میں نقصان ہو اور ہمیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے۔ ٹھیک اسی طرح تقویٰ کا مزاج بھی آہستہ آہستہ بنتا ہے اور بنانے سے بنتا ہے، اس میں انسان کو اپنی تربیت خود کرنی پڑتی ہے۔

تربیت کے مراحل:

انسان کی تربیت کا سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ آدمی خود اپنی تربیت کرے، اپنا جائزہ لے اور اپنی زندگی کے بارے میں غور کرے، اس لیے کہ اگر وہ خود تربیت کی کوشش نہیں کرے گا تو دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا ولی ہو، عالم ہو، یا کوئی اپنے وقت کا بڑے سے بڑا مربی ہو، لیکن وہ کسی شخص کی اس وقت تک تربیت نہیں کرسکتا، جب تک وہ شخص خود اپنی تربیت کرنا نہ چاہے۔ تربیت کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ انسان کا اگر کوئی بڑا ہے، کوئی مربی ہے، کوئی عالم یا شیخ ہے، تو جو اس کو صحیح مشورہ دے اور بتائے کہ تمہارا یہ کام صحیح ہے اور یہ غلط ہے، تو آدمی اس کو مانے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے بہت سے غلط کاموں کو صحیح سمجھتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

﴿زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ﴾ (الأنفال: ٤٨)

(شیطان نے ان کے لیے ان کے کاموں کو خوش نما بنادیا)

سورۂ کہف میں بھی اسی طرح کی بات کہی گئی ہے:

﴿الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ (الكهف: ١٠٤)

(یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا کی زندگی میں بے کار گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت بہتر کام کررہے ہیں)

اس آیت کی روشنی میں غور کریں کہ پتھروں اور درختوں حتی کہ گوبر کو پوجنے والوں اور بتوں کے آگے اپنے سروں کو رکھنے والوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کام کو بہت اچھا سمجھتے ہیں۔

غلط راہ پر چلنے کا انجام:

اللہ تعالیٰ کا عجیب نظام ہے کہ آدمی جب غلط راستہ پر چلتا ہے

اور وہ اپنا جائزہ نہیں لیتا اور اپنے بارے میں صحیح فیصلے نہیں کرتا اور غور نہیں کرتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ غلط راستہ میں چلتا چلا جاتا ہے اور اس کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان غلط اور فاسد تاویلات کرتا ہے اور اس کا ذہن پوری طرح خراب ہوجاتا ہے، لیکن وہ اپنی غلطی کو غلطی نہیں سمجھتا، اسی لیے اگر آدمی کا کوئی بڑا ہے، جس کی وہ بات مانتا ہے، تو اس سے مشورہ کرتے رہنا چاہیے، اگر وہ کہے کہ تم یہاں ٹھوکر کھا رہے ہو اور یہاں غلطی کر رہے ہو، تو وہ سوچے کہ واقعی ہم سے غلطی ہورہی تھی۔

فکر کی غلطی:

اسی کے برخلاف اگر کوئی شخص یہ سوچتا ہے کہ ہمارا دل بالکل صاف ہے اور ہم سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی، تو یاد رہے کہ ایسے شخص نے اپنے حق میں تربیت کا دروازہ مسدود کردیا، اس کی تربیت یا تزکیہ نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ اس کا دل گویا کوڑے کباڑ کا مرکز ہے، لیکن وہ جانتا ہی نہیں کہ ہمارے دل میں کوڑا کباڑ ہے تو اس کی اصلاح کیسے ممکن ہے۔ البتہ جو شخص جانتا ہے کہ کوڑا کباڑ ہے تو وہ اس کو صاف کرے گا اور اصلاح کی کوشش بھی کرے گا، لیکن یہ جب ہی ہوتا ہے جب روشنی ہو، تاریکی میں کوڑا نظر نہیں آتا، مثلاً آپ کسی کمرہ میں ہیں، جہاں لائٹ نہیں ہے اور وہاں جا بجا غلاظت پڑی ہوئی ہے، اب اگر آپ کو بدبو نہیں آرہی ہے تو آپ کو احساس بھی نہیں ہوگا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں، لیکن ذرا بھی روشنی ہوگئی تو آپ کو فوراً احساس ہوگا، ہوسکتا ہے کہ ابکائی بھی آنے لگے اور وہاں دو منٹ کھڑا ہونا مشکل ہوجائے، کیونکہ آپ کو وہ چیز نظر آنے لگی۔ ٹھیک اسی طرح بعض مرتبہ انسان ایسی غلطیاں کرتا ہے کہ وہ غلطیاں اس کو نظر نہیں آتیں اور ان کا تعفن بھی اس کو محسوس نہیں ہوتا، لہٰذا اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے کسی ایسے بڑے جاننے والے سے پوچھے جو اس کا خیر خواہ ہو۔

تربیت کا تعلق کسی ایسے شخص سے قائم ہونا چاہیے جس سے اس کو محبت ہو اور وہ شخص دین پر چلنے والا عالم ہو اور دین کی بنیادوں بلکہ اس کی باریکیوں سے بھی واقف ہو، جب انسان ایسے شخص سے کچھ پوچھے گا تو وہ بتائیں گے کہ جس کو تم اچھا سمجھ رہے ہو، وہ صحیح نہیں ہے بلکہ غلط ہے۔ لوگوں سے اکثر ایسی غلطیاں ہوتی ہیں کہ وہ اچھائیوں کو نہیں جانتے، لیکن وہ بعض ان چیزوں کو اچھائیاں سمجھ کر اختیار کرلیتے ہیں، جو اچھائیاں نہیں بلکہ برائیاں ہوتی ہیں۔

تقویٰ کا ذریعہ:

تقویٰ کی زندگی بھی اپنی تربیت کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور جب آدمی اپنا جائزہ لیتا رہتا ہے تو تقویٰ کا مزاج بنتا ہے، دل میں اللہ کا خیال آتا ہے اور اس کا دھیان پیدا ہوتا ہے، اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ جب ذکر کی کثرت کی جائے گی تو اللہ کا دھیان اور اس کا لحاظ پیدا ہوگا اور اسی کا نام تقویٰ ہے، جس کے بعد آدمی احتیاط سے چلے گا، لیکن یہ لحاظ جب ہی ہوگا جب آدمی ذکر کی کثرت کرے، کیونکہ ذکر سے نور پیدا ہوتا ہے اور دل روشن ہوتا ہے اور جب دل روشن ہوتا ہے تو اس کو وہ خرابیاں اور گندگیاں نظر آتی ہیں، جو عام طور سے دل پر ظلمت کی پرت چڑھے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتیں، قرآن مجید میں مشرکین مکہ کے متعلق انہی کا قول منقول ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ﴾

(اور وہ بولے کہ ہمارے دل مہر بند ہیں)

مہر بند کا مطلب یہ ہے کہ اوپر سے اندر تک کوئی بات جا ہی نہیں سکتی، ظاہر ہے اگر کوئی شخص اپنا مزاج اس طرح بنالے گا تو اس کی اصلاح کبھی نہیں ہوسکتی اور عام طور پر اصلاح کے اندر تکبر مانع ہوتا ہے، انسان سمجھتا ہے کہ ہم تو سب سے زیادہ جانتے ہیں، ہم اور ہمارے باپ دادا جو کرتے چلے آئے ہیں اس سے بہتر کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔

نکاح کے چند مسائل (۶)

مفتی راشد حسین ندوی

نکاح میں ولی ہونا:

بعض صورتوں میں بغیر ولی کے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، جب کہ بعض صورتوں میں منعقد ہوجاتا ہے، لیکن بہتر یہی ہوتا ہے کہ عقد نکاح ولی کرائے، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لا نکاح الا بولی" (ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں) (أبوداؤد:۲۰۸۵، ترمذی:۱۱۰۱)

ولی کے معنی:

ولی کے لغت میں بہت سے معانی بیان کیے جاتے ہیں، یہ لفظ "ولی-یلی-ولایة" سے مشتق ہے، جس کے ایک معنی بااختیار ہونے کے بھی ہوتے ہیں، بظاہر جب ولایت نکاح کے الفاظ بولے جاتے ہیں تو یہی معنی مراد ہوتے ہیں، چونکہ ولی کو شادی کرانے کا اختیار ہوتا ہے، اسی لیے اس کو ولی کہا گیا۔ (المعجم الوسیط)

جہاں تک شرعی معنی کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ وارث ہے جو عاقل وبالغ ہو۔ (شامی:۱/۳۲۱)

ولایت کے معنی:

ولایت کے معنی دوسرے پر اپنی بات کو نافذ کرنے کے اختیار کے ہوتے ہیں، یہ اختیار ولی کو حاصل ہوتا ہے اور اس اختیار کی دو قسمیں ہیں: (۱) ولایت ندب واستحباب (۲) ولایت اجبار۔

ولایت ندب واستحباب سے مراد وہ ولایت ہے جو ولی کو عاقلہ بالغہ لڑکی پر حاصل ہوتی ہے، یہ لڑکی ولی کے واسطہ کے بغیر بھی کفو میں نکاح کرے تو منعقد ہوجاتا ہے، لیکن اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ ولی کے واسطہ کے بغیر نکاح نہ کرے اور ولی پر لازم ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کرے، اجازت کے بغیر نکاح کیا اور لڑکی نے انکار کردیا تو نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔

(شامی:۲/۳۲۱، ہندیہ:۱/۲۸۷)

اور ولایت چار اسباب میں سے کسی سبب کے پائے جانے سے ثابت ہوتی ہے، لیکن موجودہ دور میں ان میں سے صرف ایک سبب پایا جاتا ہے، تین اسباب نہیں پائے جاتے، وہ اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قرابت (۲) ولاء (جس سے ولاء کا معاہدہ کیا ہو، یہ چیز اب نہیں پائی جاتی) (۳) امامت (یعنی سلطان یا اس کے نائبین کو، یہ سبب صرف دارالاسلام ہی میں پایا جاسکتا ہے) (۴) مِلک (ایک دوسرے کا مالک ہونا، یہ سبب غلامی ختم ہوجانے کے سبب اب نہیں پایا جاتا) (ہندیہ:۱/۲۸۳، شامی:۲/۳۲۱)

ولایت کی شرطیں:

ولایت حاصل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ولی عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو، چنانچہ مجنون، نابالغ یا غیر مسلم چاہے جتنا قریبی رشتہ دار ہو ولی نہیں بن سکتا۔ (ہندیہ:۱/۲۸۴)

اولیاء قرابت کی ترتیب:

ہم نے اوپر عرض کیا کہ موجودہ دور میں ولایت کے اسباب میں سے صرف ایک سبب یعنی قرابت والا سبب پایا جاتا ہے اور اس میں بھی ترتیب ہے اور یہ ترتیب بالکل وہی ہے جو وراثت کے مسئلہ میں عصبہ کی ہوتی ہے، یعنی پہلے نمبر پر یہ حق لڑکا پوتے وغیرہ کو حاصل ہوتا ہے، اس کے بعد باپ دادا وغیرہ کو، اس کے بعد بھائی بھتیجے وغیرہ کو، اس کے بعد چچا وغیرہ کو۔ (ہندیہ:۱/۲۸۳)

ولایت اجبار:

ولایت اجبار کا مطلب یہ ہے کہ کسی نابالغ لڑکے یا لڑکی یا کسی مجنون یا مجنونہ کا نکاح کرایا جائے، ان کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر اولیاء کراسکتے ہیں اور یہ نکاح نافذ بھی ہوجائے گا، لیکن باپ دادا کے علاوہ کوئی اور ولی نکاح کرائے تو بلوغ کے بعد بچہ کو اپنا نکاح قاضی کے یہاں جاکر فسخ کرالینے کا اختیار ہوگا۔ (شامی:۲/۳۲۱)

ولی اقرب -ولی ابعد:

اوپر اولیاء کی جو ترتیب بتائی گئی ہے، نکاح کرانے کا حق اسی ترتیب سے ثابت ہوتا ہے اور جب قریب والا ولی موجود ہو تو بعد والے ولی کو نکاح کرانے کا اختیار نہیں ہوتا ہے مثلا: ایک مجنونہ عورت کا نکاح کرانا ہے جس کا بیٹا بھی موجود ہے اور باپ بھی موجود ہے، تو لڑکا ولی اقرب ہے اور باپ ولی ابعد، لہٰذا نکاح کرانے کا حق بیٹے ہی کو حاصل ہوگا، لیکن ایسی صورت حال میں اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ بیٹا اپنی ولایت کا حق لڑکی کے باپ یعنی اپنے نانا کو سونپ دے۔

(ہندیہ: ۱/۲۸۳، شامی: ۲/ ۳۳۸)

ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کا نکاح کرانا:

اگر کسی نابالغ کا نکاح ولی اقرب جیسے باپ کے ہوتے ہوئے ولی ابعد جیسے نابالغ کے بھائی یا چچا نے کرادیا تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر وہ اجازت دے دے تو منعقد ہوجائے گا ورنہ نہیں، البتہ اگر اچھا رشتہ آیا اور ولی اقرب کہیں الگ ہے، جس کی رضامندی حاصل کرنے کا انتظار کرنے پر یہ رشتہ نکل جائے گا، تو اس طرح کی صورت حال میں ولی ابعد کا کرایا ہوا نکاح شرعاً معتبر ہوگا۔

(شامی: ۲/ ۳۳۹-۳۴۰)

برابر درجہ کے اولیاء:

اگر کسی نابالغ کے برابر درجہ کے دو یا اس سے زیادہ ولی ہوں، جیسے دو چچا یا دو بھائی ہوں، تو ان میں سے جو بھی نکاح کرادے منعقد ہوجائے گا اور اگر دونوں ہی الگ الگ جگہ نکاح کرائیں تو جو پہلے نکاح کرائے اس کا نکاح ہوجائے گا، دوسرے کا کرایا ہوا نکاح باطل ہوگا اور اگر دونوں ایک ساتھ الگ الگ نکاح کرائیں تو دونوں ہی باطل ہوں گے۔ (ہندیہ: ۱/ ۲۸۴)

جب عصبہ نہ ہوں:

اگر کسی نابالغ کے عصبات موجود نہ ہوں، لیکن ماں موجود ہو تو نکاح کرانے کا اختیار اسی کو ہوگا، اگر ماں بھی نہ ہو لیکن دادی موجود ہو تو دادی کو اختیار ہوگا، اگر دادی نہ ہو نانی ہو تو اس کو اختیار ہوگا۔

(شامی: ۲/ ۳۳۹)

خیار بلوغ:

اگر نابالغ کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کرایا ہو تو بالغ ہونے کے بعد نابالغ کو خیار بلوغ حاصل ہوگا، لیکن اس خیار کے حاصل کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ اگر وہ باکرہ ہے تو جس مجلس میں بالغ ہوئی ہے، اسی میں ناپسندیدگی کو ظاہر کردے، پھر دارالقضاء کے ذریعہ نکاح فسخ کرالے اور اگر لڑکا یا ثیبہ ہو تو اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے جب تک وہ صراحت سے رضامندی کا اظہار نہ کردیں، ان کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار رہے گا اور اگر باپ یا دادا نے نکاح کرایا ہو تو خیار بلوغ کے ذریعہ اس کو فسخ نہیں کرایا جاسکتا، الا یہ کہ یہ دونوں سوء اختیار سے معروف ہوں، یعنی لڑکی کا نکاح کسی فاسق وفاجر اور بے جوڑ جگہ کرادیں۔ (شامی: ۲/ ۳۳۰-۳۳۷)

بالغہ کا ولی کے بغیر نکاح کرنا:

اگر کوئی عاقل بالغ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر کفو میں نکاح کرلے تو یہ نکاح احناف کے نزدیک منعقد ہوجائے گا (اگر چہ ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک منعقد نہیں ہوگا) البتہ احناف کے یہاں بھی مستحب یہی ہے کہ لڑکی کفو میں بھی ولی کے ذریعہ نکاح کرائے، اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ ولی کے بغیر کرایا نکاح باطل ہوتا ہے۔

(ابوداؤد: ۲۰۸۳، ترمذی: ۱۱۰۲)

اور اگر اس نے غیر کفو میں نکاح کیا (ولی کی اجازت کے بغیر نکاح عام طور سے غیر کفو ہی میں ہوتا ہے) تو نکاح تو ہوجائے گا، لیکن ولی اعتراض کرسکتا ہے۔

(ہندیہ: ۱/ ۲۹۳، فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۱۰۲)

شیطانی حملے

عبدالسبحان ناخدا ندوی

بہترین انسان وہ ہے جو عقیدہ کا سچا، اخلاق کا پاکیزہ اور عام معاملات میں افراط وتفریط سے پاک ہو، شیطان کے حملے انھی تین بنیادوں پر ہوتے ہیں، وہ سب سے پہلے انسان کے اندر بے اعتدالی اور ناہمواری پیدا کرتا ہے، برائی پر آمادہ کر کے کمالات انسانی میں خرابی پیدا کرتا ہے اور یہ انسان کو گرانے کی اولین کوشش ہوتی ہے، صحیح طریقہ سے مال کما کر صحیح جگہ خرچ کرنا انسانی کمال ہے، لیکن شیطان انسان کو فقر کا خوف دلا کر کنجوس بنا دیتا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿الشَّيُطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ﴾

(شیطان تمہیں فقر کا خوف دلاتا ہے)

اسی طرح وہ اسراف وتبذیر میں مبتلا کر کے مال تباہ کر دیتا ہے:

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُواْ إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾

(بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں)

کبھی ریاکاری میں مبتلا کر کے تصنع وتکبر کا مزاج پیدا کرتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَـاءَ النَّاسِ﴾

(جو لوگ دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں)

آگے مذکور ہے:

﴿وَمَن يَكُنِ الشَّيُطَانُ لَهُ قَرِيناً فَسَاءَ قِرِيناً﴾

(شیطان جس کا ساتھی بن گیا تو بڑا برا ساتھی بنا)

یہ تمام امور شیطان کی پیدا کردہ ناہمواریاں ہیں، جوش وجذبہ انسانی کمال ہے، لیکن شیطان اسی جوش کو غصہ کا رنگ دے کر بڑی بڑی خرابیاں پیدا کرتا ہے، اسی لیے "الغضب من الشيطان" کہا گیا ہے، شیطان کبھی جوش و جذبہ کو اعتدال سے کم کر کے بے غیرتی و بزدلی بھی پیدا کرتا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيُطَانُ يُخَوِّفُ أَوُلِيَاءَهُ﴾

(یہ شیطان ہے جو اپنے اولیاء میں خوف پیدا کرتا ہے)

بہر حال شیطانی کوشش یہی ہوتی ہے کہ معتدل کاموں میں ناہمواری پیدا کی جائے اور بنی آدم کے کام صحیح طریقہ سے تکمیل کو نہ پہنچیں، اسی لیے سورۂ بقرہ میں ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَـا يَـأُمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَن تَقُولُواْ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُون﴾(البقرة: ١٦٩)

(بلاشبہ شیطان تمہیں برائی اور فحاشی پر آمادہ کرتا ہے اور اس پر کہ تم اللہ پر وہ باتیں کہو جن کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں ہے)

"السوء" ہر خرابی اور برائی کو کہتے ہیں، شیطان انسان کو سب سے پہلے عام برائیوں پر آمادہ کرتا ہے، اس میں انسان پھنس جائے تو پھر سب سے بڑی اخلاقی خرابی یعنی بے حیائی اور فحاشی کی طرف قدم بڑھاتا ہے، قرآن مجید نے اسی کو "الفحشاء" کہا ہے، کوئی غلط کام جب خباثت میں بہت بڑھ جائے تو اس وقت اسے "الفحش" "الفحشاء" یا "الفاحشة" کہا جاتا ہے۔کوئی بات یا کام کراہت انگیز یا گھن آمیز ہو جائے تو اس وقت فحش بالقول یا فحش بالفعل کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔اسی طرح کوئی چیز حد سے زیادہ ہو جائے اس وقت بھی عربی میں "فحش الأمر" کہتے ہیں، الفحشاء میں بے حیائی اور حد سے تجاوز کا مفہوم پایا جاتا ہے، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں فحشاء کا لفظ آیا ہے اس سے مراد زناکاری ہے، انسان کو بے حیا بنانا شیطان کا دلچسپ مشغلہ ہے، بے حیا انسان جانوروں کی سطح پر اتر آتا ہے، پھر اس سے ہر طرح کا کام لینا ممکن ہے، حدیث پاک میں ہے ارشاد ہے:

"اذا لم تستحي فاصنع ما شئت"

(جب تمہارے اندر حیا ہی نہیں تو جو چاہے کرو)

قرآن کریم میں بعض اور مقامات پر بھی "الفحشاء" کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے، حضرت آدم علیہ السلام پر اس کا سب سے پہلا حملہ بے حیائی کی راہ سے ہوا تھا، شیطان نے پہلے مرحلہ میں کفر وشرک کی دعوت نہیں دی تھی............(بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

فیفا ورلڈ کپ میں
قطر کا جرأت مندانہ کردار

محمد مکی حسنی ندوی

قطر ایک مسلم اکثریتی ملک ہے جس کا سرکاری مذہب بھی اسلام ہے۔ (CIA World Fact Book) کے مطابق قطر کی 67.7٪ آبادی مسلمان ہے، 13.8٪ مسیحی اور اتنے ہی ہندو ہیں 3٪ بدھسٹ اور باقی دیگر لوگ ہیں۔روس اور ایران کے بعد قطر دنیا کا تیسرا سب سے بڑا قدرتی گیس کے ثابت شدہ ذخیرہ والا ملک ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی اقتصادی حالت بڑی مضبوط ہے، برطانیہ سے آزادی نیز آئین قطر کو اکثریت کے ساتھ منظوری ملنے کے بعد اکیسویں صدی میں یہ ملک عالمی سطح پر ایک اہم طاقت بن کر ابھرا، اس ملک پر آل ثانی کی حکومت ہے اور اس کے موجودہ حکمراں تمیم بن حمد ثانی ہیں جنکے جرأتمندانہ اقدامات اکثر سرخیوں میں رہتے ہیں۔

قطر کے خلیجی ممالک بالخصوص سعودی عرب سے اختلافات اور رنجشوں کی تاریخ قدیم ہے، ایک دوسرے کی بری' بحری اور فضائی سرحدوں پر پابندی عائد کرنے اور اپنے سفراء کو واپس بلانے کا مسئلہ بھی کوئی نئی بات نہیں، دراصل اس کشمکش کی بنیادی وجہ قطر کے ایران سے مضبوط سیاسی روابط' ترکی سے فوجی اتحاد' قطر کے الجزیرہ ٹیلی ویژن کی حقیقت پسندانہ کوریج اور اسلام پسند جماعتوں سے خوشگوار تعلقات نیز ظلم وزیادتی کا نشانہ بنائے جانے والے لوگوں کی پشت پناہی ہے، جس سے اسرائیل نواز طاقتیں کبھی خوش نہیں ہوسکتیں۔

بین الاقوامی سطح پر ایک طرف وہ مسلم ممالک ہیں جو یہودی شکنجہ میں جکڑے ہوئے اور احساس کمتری کا شکار ہیں، حتی کہ خود مختار حکومتوں اور معاشی استحکام کے باوجود بھی ان کے لبوں کو جنبش نہیں ہے اور ان کی زبانیں گنگ ہیں، وہیں دوسری طرف قطری حکومت ہے جس کی اسلام پسندی کے مظاہر بلاشبہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے دلچسپی کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

یوں تو قطر کی اسلام پسندی' وقتاً فوقتاً فلسطینیوں کی حمایت اور اخوانیوں کی پشت پناہی سے ظاہر ہے، جس نے ہمیشہ اپنے تمام تر مادی مفادات کو قربان کیا اور اسلام پسند تنظیموں نیز مظلوم دُعاۃ کو پناہ دی، بالخصوص عالم اسلام کی عظیم ترین شخصیت علامہ یوسف قرضاویؒ کو جب قطر کی شہریت حاصل ہوئی تو اس کے مصر اور تمام خلیجی ممالک سے روابط منقطع ہوگئے، گرچہ ان ممالک سے فی الحال تعلقات خوشگوار ہوگئے ہیں۔البتہ سال رواں فیفا ورلڈ کپ میں قطر کے نمایاں اور دلچسپ کردار نے سیاسی افق پر چار چاند لگادیے ہیں۔

فیفا' عالمی سطح پر فٹ بال کا اہم ترین مقابلہ ہے جو ہر چار سال پر فیفا کی مجلس انتظامی کے مشورہ سے مختلف ممالک میں منعقد ہوتا ہے، تاہم اس کے انعقاد کی منظوری کئی سال قبل ہی دے دی جاتی ہے، 2018ء میں یہ ورلڈ کپ روس میں منعقد ہوا اور اس سے قبل ہی 2010ء میں تقریباً 22/ارا کین کی رائے کے اتفاق کے ساتھ قطر کو 2022ء میں فیفا ورلڈ کپ کی میزبانی کا سنہرا موقع حاصل ہوا تھا۔

فیفا ورلڈ کپ کے انعقاد میں قطر نے اسلامی اقدار کی بھرپور نمائندگی کی، قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب فیفا ورلڈ کپ میں زائرین کے لیے وزٹنگ کارڈ کی ویب سائٹ کھولی گئی تو اس میں تمام ممالک کی فہرست موجود تھی، لیکن اسرائیل کے نام کے بجائے مقبوضہ فلسطین یا محض فلسطین کا آپشن موجود تھا، جو بلاشبہ اسرائیل اور اسرائیل نواز طاقتوں کے لیے ایک کھلا چیلنج تھا۔

فیفا ورلڈ کپ کا افتتاح قطر کے ایک موٹیویشنل مقرر' کامیاب تاجر اور معروف حافظ قرآن غانم المفتاح کی تلاوت سے ہوا، جنہوں نے موقع کی نزاکت سے قرآن کی ان آیات کا انتخاب کیا جو بلاشبہ افتتاحی تقریب میں موجود تمام اقوام وملل کے لیے ایک پیغام تھیں نیز اسی دوران جب نماز کا وقت ہوا تو تقریب کو موقوف کردیا گیا۔ اس کے علاوہ قطر نے کھیل کے دوران اسٹڈیم میں شراب پر سخت پابندی عائد کی، اسی موقع پر بعض مسلم قطری خواتین نے حجاب کے تعارف کی مہم بھی شروع کی اور الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق اس مہم کو خوب پذیرائی بھی حاصل ہوئی، علاوہ ازیں انتظامیہ نے جگہ جگہ

ایسی اسکرینیں بھی نصب کیں جن میں شراب کی حرمت، حجاب کی اہمیت اور اسلامی دعوت سے متعلق قرآنی آیات اور اسلامی ہدایات نظر آتی رہیں۔قطری حاکم کا کہنا ہے کہ ان چیزوں کی پاسداری سے ہمارا مقصد عالمی سطح پر دعوت اسلامی کی راہیں ہموار کرنا ہے۔

بلاشبہ کھیل کی دنیا میں قطر کا یہ منفرد انداز یقیناً کھیلوں کے کلچر پر مثبت اثر ڈالے گا، اقوام عالم کے درمیان منتشر اسلاموفوبیا میں کمی واقع ہوگی اور کسی حد تک اسلام کا مثبت چہرہ سامنے آئے گا، تاہم اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ مادیت کے اس طوفان بلاخیز میں اور سیاسی منافع وتقاضوں کے اس دور میں مسلمانوں کے اندر سے احساس کہتری کا نکلنا اور ان کے حکمرانوں میں جرأت مندی کا پیدا ہونا عنقا ہوگیا ہے، جس کی واضح مثال اسی تاریخ ساز ورلڈکپ کی اختتامی تقریب میں قطری حکام کا وہ طرز عمل ہے جو بالکل ان کی شایان شان نہ تھا، واقعہ یہ ہے کہ فلمی اداکاروں اور عالمی شہرت یافتہ رقاصاؤں کو خصوصی دعوتیں دینا اور انکے پروگراموں کی حوصلہ افزائی کرنا مسلم حکمرانوں کے اپنے تہذیبی سرمایہ پر عدم اعتماد کی علامت ہے، اسی لیے پوری دنیا کے مسلمان ابھی بھی منتظر ہیں ایک ایسی ریاست کے جو شریعت پر عمل کے ساتھ وقت کے تقاضوں اور ضرورتوں کو پورا کرتی ہو اور اپنے عادلانہ ومنصفانہ نظام سے پوری دنیا کے لیے ایک نمونہ بن سکتی ہو، اور یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں، بقول مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ:

"میرا یقین ہے کہ بیک وقت موجودہ تمدنی سہولتوں، جدید آلات وایجادات اور سائنسی ترقیات سے استفادہ اور اسلامی تمدن کے حسن وسادگی، حقیقت پسندی، طہارت ونظافت اور اسلام کے اخلاقی اصولوں اور معاشرتی تعلیمات کا کاربند وپابند رہنا ممکن اور قابل عمل ہے، مگر یہ اس وقت ممکن ہے جب اسلامی حکومتوں اور معاشروں کو آزادانہ ومجتہدانہ فکر ونظر اور جرأت مندانہ منصوبہ بندی کی توفیق ملے اور جب ان کے اندر فراست ایمانی، اصلیت پسندی، اسلامی تعلیمات وثقافت اور شخصیت کی برتری پر ایمان ہو۔"

(حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب:۷۵)

بقیہ : شیطانی حملے

بلکہ وہ بنی آدم کو بے غیرت بنا کر کفر وشرک کی کھائی میں دھکیلنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب ایمان کے شعبے بیان فرمائے تو حیا کا بالخصوص الگ سے تذکرہ فرمایا، ارشاد ہے:

"الایمان بضعة وسبعون شعبة فأفضلها قول لا اله الا الله وأدناها اماطة الأذى عن الطريق والحياء شعبة من الايمان"

(ایمان کے ستر سے بھی زائد شعبے ہیں جن میں سب سے افضل لا الہ الا اللہ کا قائل ہونا ہے اور اس کا سب سے ادنیٰ شعبہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیاء ایمان ہی کا ایک اہم حصہ ہے)

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کے نزدیک سب سے پسندیدہ کام میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنا ہے، میاں بیوی میں پھوٹ پڑ گئی تو دونوں اپنی طبعی خواہش کی تکمیل کے لیے بے حیائی کے راستے پر پڑ سکتے ہیں، اس لیے شیطان کو یہ عمل زیادہ پسند ہے، بے حیائی کے نتیجہ میں انسان اس قدر گر جاتا ہے کہ پھر کسی سنجیدہ کام کا نہیں رہتا اور شیطان یہی چاہتا ہے۔

شیطان کے انسان کو بے حیاء بنانے کی اصل غرض یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کا گستاخ بن جائے، احکام الٰہیہ کی عظمت اس کے دل سے نکل جائے، یہ شیطان کی آخری منزل ہے، وہ خود بھی ایسا ہی ہے، اللہ کے حکم کو اس نے کھلم کھلا ٹھکرا دیا تھا، یہی کام وہ بنی آدم سے بھی چاہتا ہے، اسی کا چیلنج اس نے اللہ رب العزت کو دیا تھا، گویا وہ عام خرابیوں سے بڑی اخلاقی خرابی یعنی "الفحشاء" تک پہنچاتا ہے، پھر وہاں سے عقائد کے بگاڑ تک لے جاتا ہے، یہ شیطان کے بنیادی خطوات ہیں، اس تعلق سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، جب اس پستی تک انسان گر جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے جو بھی بات اسے بتائی جائے وہ اپنے آباء واجداد کے خرافات سے اس کا مقابلہ کرتا ہے، یعنی حکم الٰہی کو سیدھے سیدھے قبول کرنے کا جذبہ تقریباً مر جاتا ہے، یہ بالکل وہی شیطانی طرز عمل ہے جو اس نے آدم کو سجدہ کرنے کے حکم پر اپنایا تھا۔

قطع رحمی

محمد امین حسنی ندوی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو خاندانوں وقبیلوں میں تقسیم کیا!" وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا "انسانی زندگی ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہے، ہر انسان کسی دوسرے انسان سے وابستہ ہے، یہ وابستگی رشتوں کی وجہ سے بھی ہوتی ہے اور کام کی وجہ سے بھی، لیکن اگر انسان چاہے کہ وہ تعلقات کو ذاتی فائدے کے لیے صرف استعمال کرے تو یہ جائز نہیں، موجودہ حالات میں قطع رحمی کا مزاج بن رہا ہے، انسان ماں باپ کے ساتھ قطع رحمی کرنے لگا ہے، یہ افسوس ناک صورتحال ہے اور حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت سے پہلے یہ ہوگا، پڑوسی کا پڑوسی کے ساتھ اچھا رویہ نہ ہوگا، ایک پڑوسی دوسرے سے تنگ ہوگا۔

اسی طرح حدیث میں قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی کے طور پر قطع رحمی کا بھی ذکر آتا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تقوم الساعة حتى يظهر الفحش والتفاحش وقطيعة الرحم وسوء المجاورة." (رواه احمد)

(قیامت قائم نہیں ہوگی حتی کہ بدکاری اور بے حیائی خوب پھیل جائے گی، قطع رحمی عام ہوگی اور ہمسائیگی بری ہوگی۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا يدخل الجنة قاطع رحم."

(رشتہ داری توڑنے والا کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو کسی قرابت کی نیکی کے بدلے نیکی کرے، بلکہ صلہ رحم وہ ہے جو قطع رحمی کے باوجود اسے ملائے اور صلہ رحمی کرے۔ (ترمذی)

اسی طرح ایک پڑوسی کا دوسرے پڑوسی سے کیا تعلق ہوتا ہے، اس پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے، قرآن مجید اور حدیث شریف میں صاف صاف اس کا ذکر موجود ہے اور اس قدر تاکید کے ساتھ اس کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا لگا تھا کہ کہیں میراث میں پڑوسی کا حق نہ کر دیا جائے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج ہمارا معاشرہ اس قدر گندگی کی طرف جا رہا ہے جس میں نہ پڑوسی دوسرے پڑوسی سے محفوظ ہے نہ اور کوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات ارشاد فرمائی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب یہ سب ہوگا، قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر پڑوسی کا حق بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" والجار ذی القربی والجار الجنب"

اس کے علاوہ اور بھی جگہوں پر تذکرہ ملتا ہے جس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو، انسان کا سب سے زیادہ جس سے تعلق پڑتا ہے اپنے قرابت داروں کے بعد وہ پڑوسی ہے، پڑوسی سے اس کا ہر وقت کا ساتھ ہے، صبح وشام کا اور اسی لیے اس کی اہمیت زیادہ بتائی گئی ہے، اگر ایک پڑوسی دوسرے سے الگ زندگی بسر کرے، اس کے دکھ درد میں شریک نہ ہو، اس کی پریشانیوں کو محسوس نہ کرے، اس کے ساتھ خوشی میں شریک نہ ہو تو یہ نہ اسلامی طریقہ ہے نہ ہی انسانی، زندگی میں اصلی خوشی اسی وقت ملتی ہے جب ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، تنہائی کی زندگی میں انسان بالکل اکیلا ہو جاتا ہے اور صحیح معنوں میں وہ خوشی بھی اس کو نہیں مل پاتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح تاکید کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمائی اور آپ کو سخت ناگواری ہوتی تھی۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اور تاریخی ذوق

محمد ارمغان بدایونی ندوی

''شیخ ابوالحسن علی ندویؒ تاریخ کے رمز شناس اور اس کی گہرائی وگیرائی سے واقف تھے، جنہوں نے اس کے ذریعہ امت کے شعور کو بیدار کیا اور اقوام عالم میں اس کی قدر و قیمت سے روشناس کرایا۔''

(علامہ یوسف قرضاویؒ)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی فن تاریخ سے دلچسپی طبعی تھی، تاریخ کے موضوع کی متعدد شہرۂ آفاق تصانیف ان کے والد ماجد اور جد امجد کے اشہب قلم سے لکھی ہوئی تھیں، گویا تاریخ آپ کے لیے ایک خاندانی موضوع تھا، آپ کے خاندانی ذخیرۂ کتب میں وقیع اور اہم تاریخی مواد موجود تھا، جس کو آپ نے بچپن سے دیکھا اور مطالعہ کیا تھا، اس کا نتیجہ تھا کہ عنفوان شباب ہی سے اسلامی و دینی تاریخ سے آپ کو طبعی انس پیدا ہو گیا تھا، ''کاروان زندگی'' میں ایک جگہ حضرت مولاناؒ رقم طراز ہیں:

''ان کتابوں کے اٹھانے، رکھنے اور ورق گردانی سے میری واقفیت عامہ میں بھی اضافہ ہوا اور خاندانی ذوق اور اسلاف کی خدمات دینی و علمی سے بھی شناسائی ہوئی، مطبوعات میں تاریخ ہند وتراجم علماء اور تذکرے وسوانح کا بڑا ذخیرہ تھا، اس لیے کہ والد صاحب کو ''نزہۃ الخواطر'' کی تالیف کے سلسلہ میں ان کی ضرورت پڑتی رہتی تھی اور جو لوگ ان کی اس مشغولیت سے واقف تھے، وہ ایسی کتابیں ان کو بھیجتے رہتے تھے، جن سے ان کے اسلاف کا تذکرہ محفوظ اور کتاب میں شامل ہو جائے، ان کتابوں پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی مجھے بہت نفع ہوا اور ہندوستان کی اسلامی و دینی تاریخ سے ذوق و شغف پیدا ہو گیا جو بعد میں بہت کام آیا۔''

(کاروان زندگی: ۱/۱۱۴)

حضرت مولاناؒ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے تاریخ اسلام اور اقوام و ملل کی تاریخ کا مطالعہ قرآن مجید کی روشنی میں کیا تھا اور وہ تاریخ کو قرآن مجید ہی کی تفسیر مانتے تھے، وہ لکھتے ہیں:

''میں تاریخ کو قرآن مجید ہی کی تفسیر سمجھتا ہوں۔''

(دعوت فکر و عمل: ۱۸۹)

حضرت مولاناؒ نے تاریخ اسلام اور قوموں کے عروج و زوال کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس سلسلہ میں وہ کسی روایتی طرز فکر کے حامل نہ تھے، بلکہ عام مؤرخین و محققین کے مزاج و مذاق سے مختلف اسلوب کے داعی تھے، بالخصوص وہ مسلمانوں کو انقلابات زمانہ کا تختۂ مشق سمجھنے یا انہیں تاریخ میں ''عامل'' کے بجائے ''معمول'' سمجھنے کے بالکل روادار نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت مولاناؒ نے ہی منظّم علمی و تاریخی انداز سے نیز تاریخ کا قرآن مجید کی روشنی میں مطالعہ کرنے کے بعد یہ حجت قائم کی کہ تقدیر انسانی مسلمانوں کے عروج و زوال سے وابستہ ہے اور ان کا قائدانہ کردار عالم انسانیت کی سعادت کا ضامن ہے، ان کا ماننا تھا کہ قوموں اور سلطنتوں کے شتر بے مہار ہونے یا علمی و صنعتی ترقیات کا باعث ہلاکت ہونے کا بنیادی سبب یہی ہے کہ مسلمان منصب قیادت سے دور ہو گئے، جو بلاشبہ کوئی قومی یا مقامی حادثہ نہیں بلکہ انسانی دنیا کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے۔

حضرت مولاناؒ اپنی مشہور کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مسلمانوں کے زوال کو ایک قومی حادثہ اور مقامی واقعہ سمجھتے ہیں اور ان کو مطلقاً اس کا احساس نہیں کہ یہ کتنا بڑا عالم گیر سانحہ اور انسانیت کی کیسی بڑی بدقسمتی تھی، واقعہ یہ ہے کہ اس حقیقت کو نظر انداز کر کے ہم نہ اسلامی تاریخ کو سمجھ سکتے ہیں، نہ انسانی تاریخ کو، نہ اس دور کی صحیح تشخیص کر سکتے ہیں جو ابھی دنیا میں قائم ہے، نہ اس عالم گیر انقلاب کے صحیح اسباب معین کر سکتے ہیں جو دنیا کی تاریخ میں رونما ہوا۔''

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر: ۱۶)

تاریخ اسلام اور اقوام عالم کی تاریخ کے واقعات و حالات کا

تجزیہ کرنا حضرت مولانا کے تاریخی ذوق کا بنیادی عنصر ہے، وہ جس دور کی علمی، تمدنی یا اصلاحی وتجدیدی تاریخ پر خامہ فرسائی کرتے تو اس دور کے واقعات وحقائق کی ایسی تحلیل اور تجزیہ کرتے کہ گویا وہ ذہنی وفکری لحاظ سے اسی دور میں سانس لے رہے ہوں، ان کی شہرہ آفاق تصنیف ''تاریخ دعوت وعزیمت'' اس حقیقت کی منہ بولتی تصویر ہے، جس میں حضرت مولاناؒ نے اسلام کی تاریخ اصلاح وتجدید کا از اول تا آخر ایک ربط وتسلسل بیان کیا ہے اور ان مؤرخین کو صداقت پسندی کا آئینہ دکھایا ہے جو اس سلسلہ میں غلط تعبیر وترجمانی کا شکار تھے، حضرت مولاناؒ کی اس کتاب کی تصنیف کا ایک قوی محرک یہی داعیہ تھا کہ تاریخ اسلام کے نام پر لکھی گئی تصنیفات واقعات کی فہرست یا تراجم وتذکرے کے سوا کچھ نہیں تھیں اور نہ ہی ان میں مسلمانوں کی کسی مسلسل فکری اور اصلاحی تاریخ کا بیان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولاناؒ نے تاریخ نویسی کا مجتہدانہ طریقہ اختیار کیا اور ہر دور کی نمایاں شخصیات کے حالات اس طرح قلم بند کیے کہ ان کے ضمن میں مسلمانوں کی فکری وعلمی انحطاط وارتقاء کی تاریخ بھی رقم ہوگئی۔

اس تاریخی تصنیف کا مقصد بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

''ہمیں اسلام کی تیرہ سو برس کی تاریخ میں اصلاح وانقلاب حال کی کوششوں کے تسلسل کو دکھانا ہے اور ممتاز شخصیتوں اور تحریکوں کی نشان دہی کرنی ہے، جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق دین کے احیاء اور تجدید اور اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے کام میں حصہ لیا ہے اور جن کی مجموعی کوششوں سے اسلام زندہ اور محفوظ شکل میں اس وقت موجود ہے اور مسلمان اس وقت ایک ممتاز امت کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔''

(تاریخ دعوت وعزیمت: ۱/۱۳)

حضرت مولاناؒ کے تاریخ کے گہرے مطالعہ اور علمی تجزیہ کا ایک اعلیٰ شاہکار ان کی معروف ومقبول تصنیف ''مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش'' بھی ہے، بلاشبہ یہ کتاب حالات زمانہ سے ان کی واقفیت کی کھلی دلیل ہے، جس میں آپ نے مسلم ممالک کا حقیقت پسندانہ علمی، تاریخی اور سیاسی جائزہ لیا ہے اور انہیں یہ بے لاگ اصول بتایا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے لیے اپنے متعین ومخصوص عقائد اور نظریات سے تجاوز کرنا کسی صورت درست نہیں، نیز دنیا کی قیادت وامامت کی زمام کار بھی اسی سماج کے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے، لیکن اس کے لیے صحیح اور متعدل راہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

مسلم ممالک کے اس مسئلہ میں حضرت مولاناؒ لکھتے ہیں:

''آج تمام مسلم ممالک کو بالخصوص نئے آزاد ہونے والے اسلامی ممالک کو سب سے زیادہ اسی مخلصانہ مشورہ کی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں ذرا سی غلطی اور تھوڑی سی بے اعتدالی ان کو کہیں سے کہیں لے جاسکتی ہے۔'' (اسلامیت ومغربیت کی کشمکش: ۱۳۰)

''سیرت سید احمد شہید'' بھی حضرت مولانا کے تاریخی ذوق کی ایک سنہری کڑی ہے، جو انہیں ایک کامیاب مؤرخ اور ممتاز مصنفین کی صف میں کھڑا کرتی ہے، اس کتاب میں بھی مصنف نے محض سوانح نگاری اور واقعات وکرامات کی فہرست بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ اسے بھی ایک قابل تقلید اسلوب میں ڈھال کر پیش کیا ہے، اس تصنیف کا تعارف خود حضرت مولاناؒ کی زبانی یوں ہے:

''اس نے نہ مشرقی سوانح نگاروں کی طرح رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اور نہ مغربی مؤرخین کی تقلید میں خواہ مخواہ کتاب کو بے روح اور بے اثر بنانے کی کوشش کی ہے، نہ زمانہ کے سانچہ میں ڈھالنے کی سعی کی ہے اور نہ کسی خواہش وتخیل کے ماتحت تاریخ سازی کا ارادہ کیا ہے۔'' (سیرت سید احمد شہید: ۱/۳۰)

حضرت مولاناؒ نے تاریخ کا ایسا مطالعہ کیا تھا کہ ان کی تمام تحریروں اور تقریروں میں اس کا صاف اثر محسوس ہوتا ہے۔ حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ فن تاریخ پر اپنے قلم کی جولانی کے متعلق ایک جگہ خود یہ الفاظ فرماتے ہیں:

''میں تاریخ لکھتا رہا ہوں، میرے شعور اور تصنیف وتالیف کی عمر زیادہ تر اسی کوچہ میں گذری ہے۔''

(علماء کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں: ۴۷)

یونیفارم سول کوڈ- ملک کی سالمیت کے لیے خطرہ

محمد نفیس خاں ندوی

یکساں شہری قانون (Uniform Civil Code) سے مراد وہ سماجی اور عائلی قوانین ہیں جو شادی، طلاق، وراثت اور گود لینے جیسے معاملات میں تمام مذہبی برادریوں پر یکساں لاگو ہوگا۔ان قوانین میں ہر فرد کے شخصی اور خاندانی معاملات بھی شامل ہیں، ان قوانین کے نفاذ میں کسی شخص کے مذہب وتہذیب یا رسم ورواج کا خیال نہیں کیا جائے گا بلکہ ان چیزوں سے بالکل الگ ہوکر ہر مذہب کے ماننے والوں کو یکساں قانون ''یونیفارم سول کوڈ'' کا پابند ہونے پر مجبور کیا جائے گا جس کے ذیل میں وہ سارے امور بھی آجاتے ہیں جن کا تعلق پرسنل لا سے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر بی آر امبیڈکر (Dr. B R Ambedkar) نے آئین کی تشکیل کرتے ہوئے کہا تھا کہ سماج کے کمزور گروہوں کے خلاف امتیازی سلوک کو دور کرنے اور ملک بھر میں متنوع ثقافتی گروہوں کو ہم آہنگ کرنے کے لیے یوسی سی (Uniform Civil Code) مطلوبہ ہے لیکن فی الوقت اسے رضا کارانہ رہنا چاہیے، اور یہ اسی وقت تک قابل عمل ہو سکے گا جب قوم اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے گی۔ اس طرح یوسی سی کو ہندوستانی آئین میں رہنمایانہ اصول (Directive Principles in the Indian Constitution) کے تحت دفعہ 44 میں اس طور پر ذکر کیا گیا کہ ریاست ہندوستان کے پورے علاقے میں شہریوں کے لیے یکساں سول کوڈ کو محفوظ بنانے کی کوشش کرے گی۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے دستور ساز اسمبلی (Constituent Assembly) میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ کسی کو اس بات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر ریاست کے پاس طاقت ہے تو ریاست فوری طور پر اس پر عمل درآمد کرے گی، میرے خیال میں حکومت کی طرف سے اس پر زور نہیں دیا جانا چاہیے۔

یوسی سی کے مطالبہ کی ابتدا نوآبادیاتی ہندوستان سے ہوئی تھی جب برطانوی حکومت نے 1835 میں اپنی رپورٹ پیش کی تھی جس میں جرائم، شواہد اور معاہدوں سے متعلق ہندوستانی قانون کی ضابطہ بندی میں یکسانیت کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا، اس طرح یہ مسئلہ ایک صدی سے زیادہ عرصے سے سیاسی بیانیہ اور بحث کا مرکز رہا ہے اور بھارتیہ جنتا پارٹی (BJP) کے لیے ایک ترجیحی ایجنڈا ہے جو پارلیمنٹ میں قانون سازی کے لیے زور دے رہی ہے اور اس نے اقتدار میں آنے پر یوسی سی کے نفاذ کا وعدہ کیا تھا اور یہ مسئلہ اس کے 2019 کے لوک سبھا انتخابی منشور کا بھی حصہ تھا۔

ہندستان میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا مطلب ہر مذہب کے ماننے والوں کو اور خاص کر مسلمانوں کو اپنے پرسنل لا سے دستبردار ہونا ہے، اور ایسے قوانین کا پابند ہونا ہے جو دیومالائی سانچہ میں ڈھل کر تیار ہوا ہے، اور جسے ''ہندو کوڈ'' کے نام سے جانا جاتا ہے کیونکہ جب حکومت کے لیے اس کی راہیں ہموار ہوں گی تو وہ موجودہ ہندو کوڈ کو ہی سول کوڈ کا نام دے گی جس کی بنیاد در ہندو مذہب کی تعلیمات اور مغربی نظریات ہیں۔

یکساں سول کوڈ کے ذریعہ مسلمانوں کے ملی تشخص اور دینی شناخت کو ختم کرنے کی ایک کوشش ہے، اسپیشل میرج ایکٹ اور انڈین سکیشن ایکٹ کے ذریعہ اس کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے، اس کے تحت بین المذاہب شادیاں ہو سکتی ہیں، میرج ایکٹ کے تحت شادی کرنے والوں پر قانون میراث لاگو نہیں ہوگا، اسی طرح شادی کے تین سال بعد تک میاں بیوی میں علیحدگی کی کوئی گنجائش نہیں، طلاق کا اختیار صرف مرد کو نہیں ہے بلکہ مرد اور عورت میں سے جو بھی

طلاق لینا چاہے وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا کر اور اپنے مطالبہ کو درست ثابت کر کے علیحدگی حاصل کر سکتا ہے، اسی طرح بیٹی کو بھی وراثت میں بیٹے کے برابر حق حاصل ہے۔

اسی طرح انڈین سیکشن ایکٹ کی پہلی دفعہ کے مطابق ہر شخص کو وصیت کرنے کا حق حاصل ہے، اور وہ چاہے جس کے لیے وصیت کرے اور چاہے جتنی مقدار میں کرے، اس کے علاوہ مرنے والے کی ماں، بیوی، بیٹا اور بیٹی سب کو برابر حق دیا جائے گا۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے قوانین ہیں جو مسلم پرسنل لا کے بالکل مخالف ہیں، اسی لیے یکساں سول کوڈ کا مطلب مسلمانوں کے پرسنل لا میں سیدھے مداخلت ہے۔ اوران قوانین کے قبول کرنے کا مطالبہ کرنا نہ صرف یہ کہ مذہبی آزادی پر روک ہے بلکہ عقیدہ وضمیر کی آزادی سے بھی محروم کرنے کے مرادف ہے، اور درحقیقت ملک کی حقیقی جمہوریت کو تاراج اور سیکولر کردار کو مسخ کرنے کی ایک سازش ہے۔

ایک عرصہ سے ملک کا ایک طبقہ جس میں بڑی تعداد ہندؤوں کی ہے اور کچھ مسلمانوں کی اسے نافذ کرنے کے لیے ذہن سازی کی پوری کوشش کر رہا ہے، کچھ لوگ طاقت کے زور پر اس کے نفاذ کا مشورہ دیتے ہیں، کچھ اصلاح کے نام پر اس کی راہ ہموار کر رہے ہیں، اور کچھ حالات کا تقاضہ بتلا کر اس کے نفاذ کی سفارش کر رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کا ضمیر وخمیر مغربی سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے، مغرب سے الگ ہو کر نہ ان کے پاس کوئی دعوت ہے، نہ کوئی پیغام ہے، اور نہ کوئی تعلیم، جس طرح وہاں مذہب کو ایک پرائیوٹ معاملہ سمجھ لیا گیا ہے، اور اس کا دائرہ عبادات اور رسوم کی حد تک محدود کر دیا ہے اسی طرح ہندوستان میں بھی سول کوڈ کو نافذ کر کے پوری آبادی کو مغربی دھارے میں ضم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس کے علاوہ یونیفارم سول کوڈ کی حمایت کی ایک بنیادی وجہ اس ملک کا وہ اہم قانون ہے جو 1954ء اور 1956ء کے درمیان منظور کیا گیا، جس کے نتیجہ میں ہندو پرسنل لا منسوخ ہوا اور اس کی مغرب سے برآمد کردہ پرسنل لا نافذ کیا گیا، اس وقت یہ فضا بنائی گئی کہ جس طرح ہندو پرسنل لا منسوخ کیا گیا اسی طرح مسلم پرسنل لا بھی منسوخ کیا جائے۔ آیئے اس سلسلہ میں دیے گئے دلائل سرسری جائزہ لیتے ہیں:

(ا) آئین ہند کی دفعہ 44 کا تقاضہ ہے کہ حکومت یہ کوشش کرے کہ ملک میں یکساں شہری قانون نافذ ہو:

"The State shall endeavour to secure for citizens a uniform civil code throughout the territory of India."

لیکن جس طرح دفعہ 44 کا یہ تقاضہ ہے کہ ملک میں یکساں شہری قانون نافذ ہو اسی طرح ملک کی دفعہ 25 کہتی ہے کہ ملک کے ہر شخص کو کسی بھی مذہب کے قبول کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت کا پورا حق حاصل ہے:

"Subject to public order, morality and health and to the other provisions of this part,all persons are equally entitled to the freedom of conscience and the right freely to profess, practice and propagate religion."

یہ دفعہ عام شہری کے ''بنیادی حقوق'' سے متعلق ہے جبکہ دفعہ 44 کا تعلق ''رہنما اصول'' سے ہے۔ اور خیال رہے ''بنیادی حقوق'' کی دفعات ''رہنما اصول'' سے زیادہ اہم ہیں۔ اور مذہب کی آزادی کے ساتھ یکساں شہری قانون کا نفاذ کسی بھی صورت ممکن نہیں۔

(۲) ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے اس لیے ضروری ہے کہ یہاں کے قوانین مذہبی پابندیوں سے آزاد ہوں۔

بلاشبہ ہندستان ایک سیکولر ملک ہے لیکن سیکولرزم کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ملک سے مذہبی آزادی اور سماج سے مذہبی روایات کو کھرچ دیا جائے، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حکومت کا نہ کوئی مذہب

ہوگا اور نہ وہ کسی مذہب کی طرفدار ہوگی، اور نہ ہی کسی کے ساتھ کسی مذہب کے ماننے یا نہ ماننے کی وجہ سے کوئی امتیاز برتا جائے گا، سیکولرزم کا صحیح مفہوم یہی ہے اور اسی مفہوم کے تحت ملک کے قوانین بنائے گئے ہیں، اس کے بعد یہ سوال ہی نہیں اٹھتا کہ سیکولرزم کا لازمی تقاضہ ''یونیفارم سول کوڈ'' ہے۔

(۳) مذہبی قوانین پُرانے ہو چکے ہیں، اب وہ عصری تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

یہ حقیقت ہے کہ مذہبی قوانین پُرانے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ منجمد و معطل ہیں، اور ان کی افادیت ختم ہو چکی ہے، کوئی چیز صرف قدیم ہونے کی وجہ سے بے کار نہیں ہوتی اور نہ ہر نئی چیز اس لیے مفید ہو سکتی ہے کہ وہ نئی ہے، بلکہ اس کی حقیقت اور اس کی افادیت کا انصاف کے ساتھ جائزہ لیا جانا چاہیے، اور یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کے قوانین معاشرہ کو اطمینان بخش بنیادوں پر قائم رکھنے اور ترقی دینے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح ان قوانین کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے جو ''نئے قوانین'' کے نام سے پیش کیے جا رہے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ ''یونیفارم سول کوڈ'' کی بنیاد مغرب کے عائلی اور شخصی قانون ہیں، اس لیے پہلے ضروری ہے کہ جن قوانین کو ہندستان میں نافذ کرنے کی جدوجہد کی جا رہی ہے اس کا جائزہ ان ملکوں میں لیا جائے جہاں وہ نافذ ہیں، اور یہ بات جگ ظاہر ہے کہ مغرب کا معاشرتی اور عائلی زندگی کی تیلیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہی ہیں، اور شخصی زندگی کا سکون و اعتماد رخصت ہو چکا ہے، وہاں پر کسی شخص کا اپنی ازدواجی زندگی میں کامیاب ہونا کسی حیرت انگیز کارنامہ سے کم نہیں۔

اس کے علاوہ مذہبی قوانین کے دو حصے ہیں ایک حصہ بنیادی اور اصولی ہے جس میں کسی قسم کی ترمیم و تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ اور دوسرا حصہ وہ ہے جو حالات کے تقاضوں کے مطابق بدلتا رہتا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ مذہب حالات کے تقاضوں کے پورا نہیں کر سکتا ہے بالکل غلط ہے۔

(۴) قومی یکجہتی کے فروغ اور اتحاد کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں یکساں شہری قوانین نافذ کیے جائیں، کیونکہ مختلف قسم کے شخصی قوانین اختلافات کا ذریعہ بنتے ہیں۔

قومی یکجہتی کا نعرہ ضرور دل فریب ہے لیکن یہ سمجھنا کہ یکساں سول کوڈ کے ذریعہ اس کے لیے راہ ہموار ہو سکتی ہے محض ایک غلط فہمی ہے، کیونکہ اگر عائلی قانون کی یکسانیت اگر قومی یکجہتی پیدا کر سکتی تو صوبہ پنجاب میں سکھ اور ہندو ایک عرصہ تک باہم دست و گریباں نہ رہتے، آسام میں خوں ریزی جاری نہ رہتی، بنگال میں انسانیت کی دھجیاں نہ بکھری جاتیں اور بنگلہ دیش کا وجود نہ ہوتا، برطانیہ اور جرمنی میں خون کی ندیاں نہ بہتیں، اور دو عالمی جنگوں سے انسانیت کا دامن تار تار نہ ہوتا جبکہ ان ملکوں کا عائلی نظام ایک بلکہ ان کا مذہب بھی ایک ہے، تو اگر پرسنل لا کی یکسانیت قومی یکجہتی اور فرقہ وارانی ہم آہنگی پیدا کرنے میں مؤثر ہوتی تو انسانیت کی تاریخ آج کچھ اور ہی ہوتی۔

قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا ایک بہترین نسخہ دو فرقوں کے درمیان شادی کو کہا جاتا ہے، لیکن یہ دعوی کرتے وقت یہ فراموش کر دیا جاتا ہے کہ آئے دن ایسی شادیوں کے ٹوٹنے اور خاندان کے بکھرنے کے واقعات معاشرہ میں رونما ہو رہے ہیں، اس علاوہ اس بات کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اس نسخہ پر ایک ایسی شخصیت نے عمل کیا تھا جسے فرقہ پرستی کی علامت اور ملک کے اتحاد کو ختم کرنے والا اور ملک کی تقسیم کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، مسٹر محمد علی جناح نے ایک پارسی گھرانہ میں شادی کی تھی اور اسپیشل میرج ایکٹ کے تحت کی تھی، مگر اس سے قومی یکجہتی کو کس قدر فروغ ملا اسے سب جانتے ہیں۔ پس یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی کوشش نہ صرف یہ کہ ملک کی سالمیت کے خلاف ہے بلکہ اس کے مستقبل کو خطرہ ہے!!

جمہوریت کی حقیقت

شیخ الاسلام علامہ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

''انسانی حقوق کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اکثریت کی حکومت ہونی چاہیے، جمہوریت' سیکولر ڈیموکریسی، آج امریکہ کی ایک کتاب دنیا بھر میں بہت مشہور ہورہی ہے (The end of history and the last man) آج کل کے سارے پڑھے لکھے لوگوں میں مقبول ہورہی ہے، اس کا سارا فلسفہ یہ ہے کہ انسان کی ہسٹری کا خاتمہ جمہوریت کے اوپر ہوگیا اور اب انسانیت کے عروج اور فلاح کے لیے کوئی نظریہ وجود میں نہیں آئے گا، یعنی ختم نبوت پر ہم اور آپ یقین رکھتے ہیں، اب یہ ''ختم نظریات'' ہوگیا، یہ کہ ڈیموکریسی کے بعد کوئی نظریہ انسانی فلاح کا وجود میں آنے والا نہیں ہے۔

ایک طرف تو یہ نعرہ کہ اکثریت جو بات کہہ دے وہ حق ہے، اس کو قبول کرو، اس کی بات مانو، اس کو آزادی اظہار رائے ہونی چاہیے، لوگوں کو حق خودارادی ملنا چاہیے، لیکن دوسری طرف لوگوں کا حق خودارادی پامال کر کے ان کو جبر وتشدد کی چکی میں پیسا جاتا ہے، ان کے بارے میں آواز اٹھاتے ہوئے زبان تھراتی ہے اور وہی جمہوریت اور آزادی کے منادی کرنے والے ان کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں۔

آج کہنے کے لیے تو ہیومن رائٹس کے بڑے شاندار چارٹر چھپ کر دنیا بھر میں تقسیم کردیے گئے کہ یہ ہیومن رائٹس چارٹر ہیں، لیکن یہ ہیومن رائٹس چارٹر کے بنانے والے اپنے مفادات کی خاطر مسافر بردار طیارہ' جس میں بے گناہ افراد سفر کررہے ہیں' اس کو گرادیں، اس میں ان کو کوئی باک نہیں ہوتا، ہیومن رائٹس اسی جگہ پر مجروح ہوتے نظر آتے ہیں جہاں اپنے مفادات کے اوپر کوئی زد نہ پڑتی ہو اور جہاں اپنے مفادات کے خلاف ہو تو وہاں ہیومن رائٹس کا کوئی تصور نہیں آتا۔

سرکار دوعالم ﷺ ایسے ہیومن رائٹس کے قائل نہیں ہیں، یاد رکھئے! بعض لوگ اس پروپیگنڈے سے مرعوب ہوکر معذرت خواہانہ انداز میں ہاتھ جوڑ کر یہ کہتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہمارے ہاں تو اسلام نے فلاں حق دیا ہے اور اس کام کے لیے قرآن وسنت کو توڑ مروڑ کر کسی نہ کسی طرح ان کی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، یاد رکھئے: ﴿وَلَن تَرۡضَىٰ عَنكَ ٱلۡيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ قُلۡ إِنَّ هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلۡهُدَىٰ﴾ (اور یہودی اور عیسائی آپ سے اس وقت تک خوش ہوہی نہیں سکتے جب تک آپ ان کے مذہب کی پیروی نہ کرلیں، آپ فرمادیجیے کہ اللہ کی بتائی راہ ہی اصل راہ ہے) لہٰذا جب تک آپ اس پر نہیں آؤ گے کہ کتنا ہی کوئی اعتراض کرے، لیکن ہدایت تو وہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمائی، جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے، اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتے، لہٰذا کبھی ان نعروں سے مرعوب اور مغلوب نہ ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!''

(اصلاحی خطبات: ۴/ ۲۴۳-۲۵۴)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 15 ⚜ January 2023 ⚜ Issue: 01

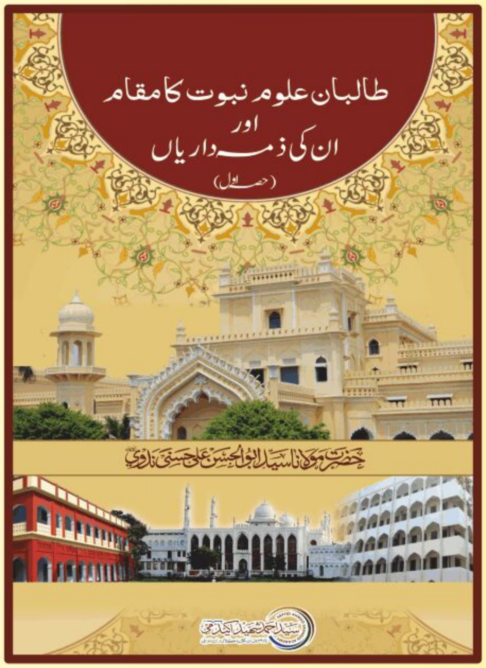

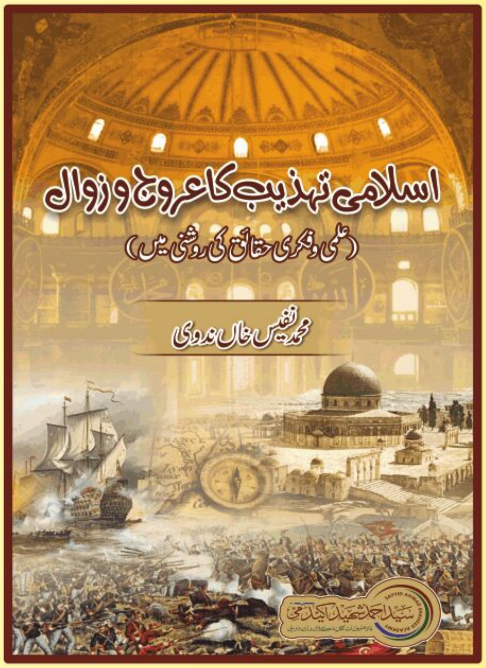

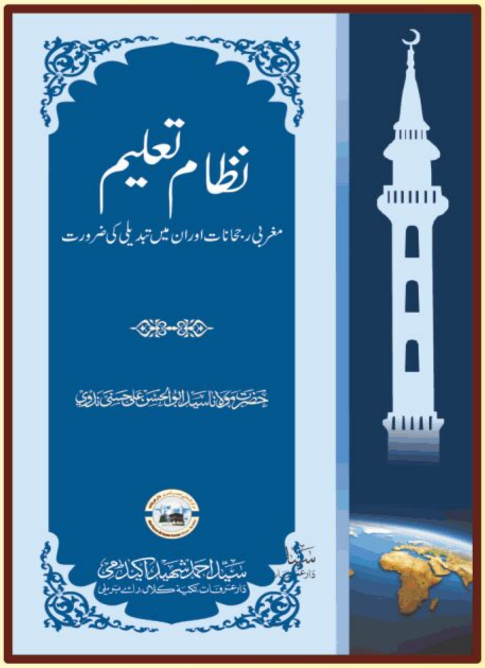

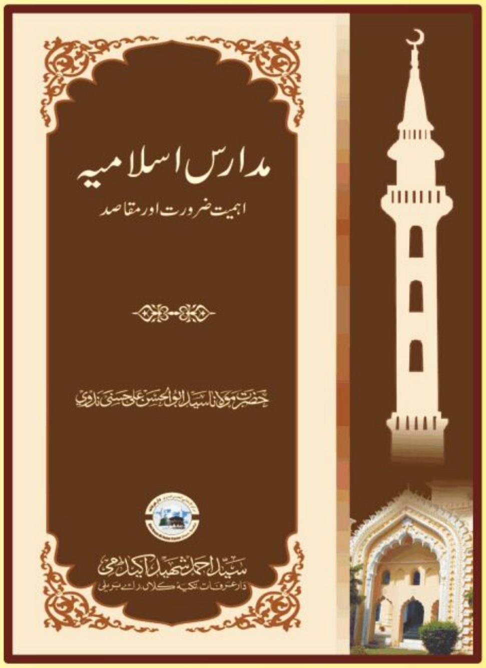

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi

MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI

E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858

Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.

Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)